شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ **رحیمیہ** لاہور

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

اکتوبر 2019ء / صفر المظفر 1441ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 10 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

ترتیبِ مضامین

- انسانوں کی خلافتِ ارضی کا اعلان
- معروف اور منکر کے اثرات
- عہدِ فاروقیؓ میں حکومتی نگرانی اور تجزیہ کے اصول
- مذہب کا سیاسی استعمال اور متوازن دینی فکر کی ضرورت
- چوتھا ارتفاق؛ بین الاقوامی نظام
- حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ؛ ایک مثالی حکمران
- معیشت کی ترقی یا ترقیِ معکوس
- تنازعۂ کشمیر اور اس کے حل کی کوششیں
- موت ایک اٹل حقیقت ہے
- موت کے بعد اعمال کے نتائج کا دور
- قانون شکنی کا مزاج اور موت کی یاد سے غفلت
- آدمی جس سے محبت کرتا ہے، حشر میں اُسی کے ساتھ ہوگا (صابر ضمیر صدیقی مرحوم کو خراجِ تحسین)
- سیّد الملّت حضرت مولانا سیّد محمد میاں دہلویؒ
- حضرت اقدسؒ کے دیرینہ رفیق صابر ضمیر صدیقیؒ کا سانحۂ ارتحال
- آہ! محترم صابر ضمیر صدیقی مرحوم (منظوم)
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

"بنی اسرائیل کو جو اُس (گزشتہ) زمانے کے مسلمان اور پیغمبروں کی نسبی اولاد تھے، (اللہ تعالیٰ نے) کفار کے ہاتھوں تباہ کرایا اور کفار کو اس کام کے انجام دینے میں (قرآن پاک میں) "عِبَادًا لَّنَآ" (اپنے بندے) کہا۔ تو وہ قاعدہ (ضابطہ) یہاں (مسلمانوں کے لیے) جاتا نہیں رہے گا۔

اگر ایسے خدا سے جنگ کرنے والوں کو اُن کفار سے — جن پر صدیوں مسلمانوں نے حکومت کی — پٹوا نہ دیا جائے تو (اس کے سوا) اَور کیا ہوگا۔"

(۲۳ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/18 دسمبر 1946ء۔ مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 260، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رقومات کی ترسیل بنام "ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور" اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

انسانوں کی خلافتِ ارضی کا اعلان

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (اور جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔) (30:2)

گزشتہ رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو متقی بنانے کے لیے اپنی عبادت کا حکم فرمایا۔ پھر ان انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ کیا، جو زمین و آسمان میں انسانیت کے لیے رکھے ہیں۔ قرآنی تعلیمات پر شکوک وشبہات سے بالاتر ہو کر یقین کی دعوت دی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا کہ وہ ان ''فاسقین'' میں سے نہ ہوں، جو معاہدات پورے نہیں کرتے، رشتوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ نیز زمین کے تمام معاشی وسائل میں تمام انسانوں کے مساوی حق کا ذکر کرتے ہوئے ہر شئے پر اُس کی علمی وسعت اور احاطے کا ذکر کیا گیا تھا۔

اب اس آیت سے انسان کی تخلیق کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکاماتِ الٰہیہ کے لیے اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے علومِ الٰہی کے سیکھنے سکھانے میں کمال ظاہر کیا تھا۔ انسان کی خلافتِ ارضی کی اصل اساسیات دو چیزیں ہیں: ایک علم میں رسوخ اور مہارت اور دوسرے اعلیٰ علم وفکر کی روشنی میں عدل وانصاف کے قیام کی عملی جدوجہد اور کدوکاوش ہے۔ چناں چہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی خلافت کا اعلان کیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ: حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے پہلے اس کائنات اور کرۂ ارض کا نظام چلانے والے فرشتوں کے ایک عظیم اجتماع کے سامنے اللہ تعالیٰ نے انسان کی نیابت اور خلافت کا اعلان فرمایا۔ فرشتوں کی اصل حقیقت، اُن کے سرانجام دیے جانے والے امور اور اُن کے عظیم اجتماعات سے متعلق امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ شریعت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں، جو افضل ترین فرشتے اور بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں۔ یہ فرشتے، ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا مانگتے ہیں، جنھوں نے اپنی اصلاح کی، اپنے نفس کو مہذب بنا لیا اور جو کُل انسانیت کی اصلاح اور فلاح کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ فرشتوں کی دعاؤں سے انسانیت پر برکات نازل ہوتی ہیں۔ ان فرشتوں کا یہ کام بھی ہے کہ وہ اُن لوگوں پر لعنت بھیجتے ہیں، جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان کی لعنت کی وجہ سے غلط کار لوگوں پر (ناکامی کی) حسرت وندامت پیدا ہوتی ہے۔ وہ فرشتے، ماتحت فرشتوں (ملاءِ سافل) کے سینوں میں یہ الہام ڈالتے ہیں کہ وہ ایسے غلط کار انسانوں سے بغض رکھیں اور ان کو دنیا میں یا موت کے بعد سزا دیں۔

یہ فرشتے، اللہ اور انسانوں کے درمیان سفیر (رابطہ کار) کا کردار ادا کرتے ہیں۔ نیز وہ انسانوں کے دلوں میں اچھے اور عمدہ خیالات کا الہام کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی پہلو سے ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں کہ جن سے ان میں نیکی اور اچھائی کے خیالات پیدا ہوں۔

پھر ان فرشتوں کے بہت سے اجتماعات ہوتے ہیں۔ ایسے اجتماع کی کیفیت اور حیثیت کا تعین اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اس اجتماع کو ''الرَّفِيقُ الأعلىٰ'' (اعلیٰ مجلسِ رفاقت) (بخاری، حدیث 6510)، ''النَّدِيُّ الأعلىٰ'' (اعلیٰ مجلسِ مشاورت) (ابوداؤد، حدیث 5054) اور ان اجتماعات کی مجموعی حیثیت کو ''الملاءُ الأعلىٰ'' (اعلیٰ مجلسِ نظم ونسق) (القرآن 69:38) سے تعبیر کیا گیا۔'' (حجۃ اللہ البالغہ)

فرشتوں کے ایسے ہی ایک عالم گیر اجتماع میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں)

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کائنات کا احکم الحاکمین ہے۔ اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اہم ترین اسم ''الحَكَم'' ہے، یعنی اس کائنات میں اسی کا حکم جاری ہے۔ کسی حاکم کی حکومت کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنے زیرانتظام مخلوقات کی تمام انواع، اجناس اور افراد کی الگ الگ شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ان میں پیدا ہونے والے ممکنہ تضادات اور اختلافات کو دور کرے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات کے لیے ایک عالم گیر تدبیر اور آفاقی نظام قائم کیا ہے۔ اس کائنات میں ہر ایک جنس سے متعلق وجود میں آنے والے تضادات اور اختلافات کو حل کرنے کے لیے علم وعدل پر مبنی مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ کائنات کے ان تمام مراکز کا حاکمِ مطلق (احکم الحاکمین) صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ مخلوقات کی اللہ کی اعلیٰ ترین اور احسن تقویم پر مبنی مخلوق ''انسان'' کو اپنی جنس اور کرۂ ارض سے متعلق مخصوص دائرے کے لیے اللہ نے اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو کرۂ ارض پر پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کے ایک بڑے اجتماع میں فرمایا کہ مَیں زمین سے متعلق امور کا نظم ونسق چلانے کے لیے اپنا ایک نائب اور حاکم مقرر کرنے والا ہوں۔ اس طرح جس امانت کو استعداد نہ ہونے کے سبب زمین وآسمان اور اُن میں موجود باقی تمام مخلوقات نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اُسے انسان کے سپرد کیا۔ انسان کی تخلیق کے وقت اللہ نے اس میں یہ استعداد رکھی کہ وہ اس امانت کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھائے۔ چناں چہ انسان نے اپنے ظلم اور جہالت کو ختم کرنے اور علم وعدل کے ذریعے سے بہترین نظام قائم کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت (خلافت کی ذمہ داری) پیش کی تو کسی نے قبول نہ کیا۔ وہ اس سے ڈر گئے۔ انسان نے اس ذمہ داری کو اٹھایا، اس لیے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا جاہل تھا۔'' (33:82-83) اسے انسانی معاشرے میں موجود ظلم اور جہالت کے خاتمے کے لیے علم وعدل پر مشتمل احکاماتِ خداوندی کی نیابت پر مبنی خلافت کی ضرورت تھی، تاکہ وہ کرۂ ارض پر موجود وسائل کا صحیح استعمال کر کے اپنی ترقی اور کامیابی کے لیے اقدامات کر سکے۔ اسی لیے فرشتوں کے سامنے حضرت آدمؑ نے اپنی علمی اور عملی استعداد کا مظاہرہ کیا، جیسا کہ اگلی آیات میں آ رہا ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

معروف اور منکر کے اثرات

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّؓ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ’’وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اَنَّ الْمَعْرُوْفَ وَ الْمُنْکَرَ خَلِیْقَتَانِ، تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ، فَاَمَّا الْمَعْرُوْفُ فَیُبَشِّرُ اَصْحَابَہٗ، وَ یُوْعِدُھُمُ الْخَیْرَ، وَ اَمَّا الْمُنْکَرُ فَیَقُوْلُ: اِلَیْکُمْ اَلَیْکُمْ! وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَہٗ اِلَّا لُزُوْمًا.‘‘ (مسند احمد، حدیث 13379)

(حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، نیکی اور بدی دو ایسی مخلوق ہیں، جو قیامت کے دن لوگوں کے لیے ایک جگہ نصب کر دی جائیں گی۔ چناں چہ نیکی نیک کام کرنے والوں کو خوش خبری دے گی اور انھیں بھلائی کا وعدہ دے گی۔ اور برائی، برائی کرنے والوں سے کہے گی: دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ۔ اور وہ لوگ اس سے دور ہونے کی طاقت نہیں رکھیں گے، سوائے اس کے کہ وہ بُرائی اُن کے ساتھ چمٹ جائے گی۔‘‘)

معروف اور نیکی ہر وہ عمل ہے جو شریعت کے موافق ہو اور انسانیت کے فائدے کے لیے ہو۔ منکر اور بُرائی ہر وہ کام ہے، جو خلافِ شرع اور انسانی مفاد کے خلاف ہو۔ اس حدیث میں بڑی اہم حقیقت بیان کی گئی ہے کہ معروف اور منکر کے اثرات ایک اٹل حقیقت ہیں، جس کے نتائج دنیا میں بھی سامنے آتے ہیں اور آخرت میں بھی انسان اپنے عمل سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی اچھا یا بُرا عمل کرتا ہے تو وہ اس کی روح اور نفس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر اچھے اور بُرے عمل کا ایک معیاری نمونہ اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ قیامت کے دن ہر انسان کا اچھا اور بُرا عمل اپنے کرنے والوں کو اپنی طرف کھینچے گا۔ اس حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ ہر عمل ایک مخلوق ہے اور وہ اپنی طرف اُس عمل کرنے والے کو ضرور کھینچے گا۔ جس نے معروف پر عمل کیا ہوگا، وہ اس کو بشارت دے گا۔ اور جس کی منکر پر عمل کی عادت رہی ہوگی، وہ اس سے اپنا دامن نہ بچا سکے گا۔ معروف کی پابندی ایسا رویہ ہے جو ایک فرد کو نیکی اور اجتماع کو خیر، بھلائی اور اجتماعیت کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ معروف کو ترک کر کے منکر کا عادی ہونا ایک ایسا عمل ہے جو فرد اور قوموں کو برباد کر دیتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں اچھے اور بُرے اعمال کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ ہماری زندگی میں مادیت، خود غرضی اور نفس پرستی کا غلبہ ہے۔ ہم عمل کرتے وقت نہیں سوچتے کہ اس کے نتائج دنیا اور آخرت میں کیا ظاہر ہوں گے۔ مزید خرابی یہ ہے کہ بُرے اعمال کو خوب صورت عنوانات سے کرنے کا دجل و فریب پر مبنی نظام قائم ہے۔ خاص طور پر ہمارے معاشرے کو بگاڑنے والے سرمایہ پرستی اور دولت کی ہوس پر مبنی اجتماعی اعمال کا غلبہ ہے، جو دنیا میں بھی ذلت کا سبب ہے اور آخرت میں بھی ہمارے انفرادی اور اجتماعی اعمال کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔ یہ حدیثِ مبارکہ ہمیں اپنی انفرادی اور عمومی سوچ کا جائزہ لینے اور اس کو درست راہ پر لانے کی دعوت دیتی ہے۔ معروف اور منکر میں تمیز کی شعوری عادت ہی اجتماعی نظام کی مکمل تبدیلی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

عہدِ فاروقیؓ میں حکومتی نگرانی اور تجزیہ کے اصول

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا: ’’اچھا! جب تم کسی شہر کا محاصرہ کرتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ: ہم شہر کی طرف کھال کی مضبوط ڈھال دے کر کسی آدمی کو بھیجتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ’’یہ بتاؤ کہ اگر شہر والے اس کو پتھر ماریں تو اس کا کیا بنے گا؟‘‘ میں نے کہا: وہ تو قتل ہو جائے گا۔ تو فرمایا: ’’ایسا نہ کیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے اس بات سے بالکل خوشی نہ ہوگی کہ تم لوگ ایک مسلمان کی جان ضائع کر کے ایسا شہر فتح کر لو، جس میں چار ہزار جنگجو جوان ہوں۔‘‘ (حیاۃ الصحابہ)

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر یوں خطاب فرمایا: ’’اے لوگو! سنو! پہلے ہمیں لوگوں کے اندرونی حالات معلوم ہو جاتے تھے کہ نبی کریمؐ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تم لوگوں کے حالات بتا دیا کرتے تھے کہ مؤمن کون ہے اور منافق کون؟ اور کس مؤمن کا درجہ بڑا ہے اور کس کا چھوٹا؟ غور سے سنو! حضورؐ اب تشریف لے جا چکے اور وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، اس لیے لوگوں کے حالات اور درجات معلوم کرنے کا طریقہ وہ ہوگا جو اَب میں تم کو بتانے لگا ہوں۔ تم لوگوں میں سے جو خیر کو ظاہر کرے گا، ہم اس کے بارے میں اچھا گمان رکھیں گے اور اسی وجہ سے اس سے محبت کریں گے۔ جو ہمارے سامنے شرّ اور بُرائی ظاہر کرے گا، ہم اس کے بارے میں بُرا گمان رکھیں گے۔ اسی وجہ سے اس سے بغض رکھیں گے، یعنی ہم تو ہر ایک کے ظاہر کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ غور سے سنو! ایک وقت ایسا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ ہر قرآن پڑھنے والا صرف اللہ کے لیے اور اس کی موجود نعمتیں لینے کے ارادے سے پڑھ رہا ہے، لیکن اب آخر میں کچھ ایسا اندازہ ہو رہا ہے کہ کچھ لوگ جو کچھ انسانوں کے پاس ہے، اسے لینے کے ارادے سے قرآن پڑھتے ہیں۔ تم لوگ قرآن کے پڑھنے اور اپنے اعمال سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ کرو۔

توجہ سے سنو! اللہ کی قسم! میں اپنے گورنر تم لوگوں کے پاس اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمھارے جسم کے چمڑوں کی پٹائی کریں یا لوگوں کے مال چھین لیں، بلکہ اس لیے بھیجتا ہوں تاکہ وہ تم لوگوں کو دین اور سنت سکھائیں۔ جو گورنر کسی کے ساتھ اس کے علاوہ کچھ اَور کرے گا، اس گورنر کی بات میرے پاس لے کر آئیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس مظلوم کو اس گورنر سے ضرور بدلہ لے کر دوں گا۔

مسلمانوں کی پٹائی نہ کیا کرو، ورنہ تم انھیں ذلیل کر دو گے۔ اسلامی سرحد سے انھیں گھر واپس جانے سے مت روکو، ورنہ تم انھیں فتنے میں ڈال دو گے۔ ان کے حقوق ان سے چھینو، بلکہ انھیں پورے طور پر ادا کرو، ورنہ تم انھیں ناشکری میں مبتلا کر دو گے۔ گھنے درختوں والے جنگل میں انھیں لے کر پڑاؤ مت ڈالنا، ورنہ بکھر جانے کی وجہ سے دشمن کا داؤ چل جائے گا اور وہ ضائع ہو جائیں گے۔‘‘ (کنز العمال)

www.rahimia.org

شذرات

مذہب کا سیاسی استعمال اور متوازن دینی فکر کی ضرورت

گزشتہ دنوں ہمارے قومی پریس میں مذہب کے سیاسی استعمال پر کافی بحث رہی ہے۔ اس کا پسِ منظر ہمارے ملک کی بعض مذہبی سیاسی جماعتوں کی طرف سے موجودہ سیاسی حالات میں حکمران جماعت کے خلاف کسی مذہبی کارڈ کے استعمال کی کوشش ہے۔ اس پر پوری قوم کو اُکسانے کے ساتھ ساتھ اپوزیشن جماعتوں کو بار بار ساتھ ملانے کی تگ ودو ہے۔ جس میں فی الحال انھیں کامیابی ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ اس ضمن میں اس مباحثے نے جنم لیا کہ آیا دین اس کی اجازت دیتا ہے کہ کسی سیاسی مخالف کو نقصان پہنچانے یا کسی سماجی معاملے میں مطلقاً کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنے یا سودے بازی میں اپنا پلڑا بھاری رکھنے کے لیے مذہب کو بہ طور ٹول (ہتھیار) استعمال کیا جاسکتا ہے؟

اس حوالے سے دو بنیادی باتیں پیشِ نظر رکھنا انتہائی اہم ہیں: پہلی اصولی بات یہ ہے کہ اسلام قطعاً کسی بھی مسلمان کو اپنے مخالف، خواہ وہ عقیدے ہی کا مخالف یعنی کوئی غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس کے ساتھ ناانصافی، بے اصولی، جھوٹ، دغا، فریب، بہتان اور ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ اس حوالے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کے لیے اس آیت میں واضح ضابطہ دے دیا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ انصاف کرو! یہی بات تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، بے شک اللہ اس سے خبردار ہے۔'' (8:5)

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اس خیر وشر کی جنگ میں تاریخ میں ایسے فاسد مذہبی کردار ضرور رہے ہیں، جو اللہ کے مقدس دین کو اپنے ذاتی اغراض، مالی فائدے، حق سے روکنے اور اقتدار وحکمرانی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور ان فوائد کو دوام اور ہمیشگی بخشنے کے لیے سادہ لوح عوام کے جذبات سے کھیلتے رہے ہیں۔ چناں چہ قرآن حکیم اس کردار کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''اے ایمان والو! بہت سے عالم اور فقیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔'' (34:9)

ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسے فاسد مذہبی کردار کے ردِعمل میں سیاست میں دینی تصورات کی بنیاد پر قومی وسیاسی کردار کی نفی کرتا ہے۔ اس نے دین وسیاست کو بالکل جدا جدا سمجھ کر سیاست کے لیے دین کے حوالے کو شجرِ ممنوعہ قرار دے دیا۔ دوسری طرف مذہبی شناخت کا حامل طبقہ مذکورہ بالا فاسد مذہبی کردار کے دفاع میں سرگرم ہے۔ یوں دینی سیاست اور لادینی سیاست کے خودساختہ معیارات قائم کرلیے گئے ہیں۔ دونوں طبقے اپنے اپنے مفادات کے لیے اپنے اپنے گروہوں کی پرورش کر رہے ہیں۔ حال آں کہ بہ وقتِ ضرورت یہ دونوں طبقے اکٹھے ہوکر نظام کو بچانے کا فریضہ سرانجام دیتے اور اس کی بقا کا ذریعہ بھی بنتے رہے ہیں۔

جو طبقہ سیاست میں دین کے حوالے کو شجرِ ممنوعہ سمجھتا ہے، ان کے فکری پسِ منظر میں یورپ کی وہ تاریخ ہے، جس میں وہ چرچ اور بادشاہ کو اتحادی دیکھتے ہیں۔ اسی اصول کے تحت وہ کہیں بھی سیاست کے ساتھ مذہب کے حوالے کو برداشت نہیں کرتے۔ حال آں کہ اسلام کے حوالے سے تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں کہ بہ حیثیتِ مجموعی مذہب اور اہلِ مذہب نے ریاست یا بادشاہ کے ظلم کو کبھی سندِ جواز فراہم کی ہو۔ اس کے برعکس اس نے پیہم اپنی مزاحمت کے کردار کو زندہ رکھا ہے۔ ایسے میں ہمیں بنیادی طور پر صالح دینی فکر اور فاسد مذہبی تصورات میں فرق کرنا چاہیے۔ کسی بھی ایسے معاشرے میں جہاں اسلام جیسے مذہب کو اکثریتی حیثیت حاصل ہو، وہاں کسی لادینی ضابطے کا مطالبہ کرنا اکثریت کے جذبات کو فنا کرنے کے مترادف ہے۔ یہ آج کے دور میں جمہوری اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ ایک خطے میں جہاں دین اسلام کے ماننے والوں کی اکثریت ہے، وہ اگر اپنے معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں، ظلم، استحصال، پس ماندگی، غربت، جہالت، ناخواندگی اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف اپنے دینی نظریات کی بنیاد پر جدوجہد نہیں کرتے تو وہ مداہنت (دینی کمزوری) کے مرتکب ٹھہرتے ہیں۔

چوں کہ پاکستان میں مذہبی قوتوں کا ماضی اسٹیبلشمنٹ کی بی ٹیم کے طور پر خاصا معروف ہے، جس کے سبب سیاسی جدوجہد میں دینی حوالہ بعض حلقوں کو کھٹکتا ہے اور اس میں یقیناً مذہبی قوتیں ذمہ دار ہیں۔ انھیں اپنے اوپر سے اس الزام کو دھونا چاہیے۔ جس دور میں اسٹیبلشمنٹ ''جہاد'' کا سٹیج تیار کر رہی تھی، ہماری مذہبی قوتوں کو آگے بڑھ کر کلمہ حق کہنا چاہیے تھا، لیکن وہ اس وقت اپنا حصہ طے کر کے ساتھ شامل ہوگئیں۔ اس کے بعد کرپٹ طبقے کے خلاف بولنے کا موقع آیا تو یہ احقاقِ حق کے بجائے کرپٹ طبقے کے دفاع میں سینہ سپر ہوگئیں۔ کسی بھی نظریے کے حوالے سے اہم ترین چیز اس کے نتائج کی شکل میں اس نظریے کے حامل افراد کے ذہن اور مزاج کا ایک خاص سانچے میں ڈھل جانا ہوتا ہے۔ یہی جماعتی سانچہ بعد میں قومی ذہن کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اس خطے میں حقیقی دینی اصولوں پر کاربند سیاست کی داعی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک ایک پوری اجتماعیت رہی ہے۔ اس نے فکر وخیال کا ایک خاص ذوق پروان چڑھایا، جو اس خطے کی قومی سیاست میں انسانی اقدار، عدلِ اجتماعی اور حریت و آزادی کا ترجمان رہا ہے۔ وہ جدوجہد اور قربانیوں کی ایک قابلِ فخر تاریخ بھی رکھتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قیامِ پاکستان اور اس کے بعد کے دور میں مذہب کے پلیٹ فارم سے جن قوتوں کو منظم کر کے جو مذہبی سیاسی فکر تشکیل دیا گیا اور پھر اسے میدان میں اتارا گیا، اس نے اپنے لیے سرگرم جماعتوں کے افراد کا جو ایک خاص فکری سانچہ تیار کیا، اس کے ہمارے قومی فکر پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ یہ وہ باریک فرق اور حدِ فاصل ہے، جو حقیقی دینی سیاست اور آلہ کار مذہبی سیاست کے فرق کو واضح کرتی ہے۔ یہی تناظر صالح دینی فکر اور آلہ کار مذہبی تصورات کے مفہوم کو آشکارا کرتا ہے۔ آج پاکستان میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایک متوازن دینی فکر کے ذریعے اپنے دینی طبقوں کے مزاج کو واپس اسلام کے اصل مزاج پر لوٹانے میں کامیاب ہوجائیں۔ یوں دینی اور بے دینی کے خودساختہ معیارات ختم ہوجائیں گے اور ہم صالح دینی فکر کی بنیاد پر اپنے قومی جمہوری تقاضے پورے کر کے آج کے قومی سوال کا جواب تلاش کرسکیں گے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

چوتھا ارتفاق: بین الاقوامی نظام

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ" میں فرماتے ہیں:

[بین الاقوامی نظام کی تعریف اور حقیقت]

"چوتھا ارتفاق (اقوامِ عالم کے بین الاقوامی نظام کی) ایسی حکمتِ عملی ہے کہ جس میں ممالک کے منتظمین اور حکمرانوں کی سیاست اور ان کے درمیان وجود میں آنے والے بین الاقوامی تعلقات کو صحیح طور پر محفوظ رکھنے کے لیے بحث کی جاتی ہے۔

[بین الاقوامی نظام کی ضرورت اور اہمیت]

اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ جب ہر ملک کا قومی حکومتی نظام اپنی الگ شناخت بنالیتا ہے، وہاں کی قومی حکومت مالی وسائل جمع کرنے اور ملک کے بہادر لوگوں کو فوجی بنیادوں پر منظّم کرلیتی ہے تو ان مختلف ممالک کے لوگوں کے مزاجوں کے اختلاف اور مختلف استعدادوں کے سبب ممالک کے درمیان ٹکراؤ اور ظلم کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ عدل وانصاف کا سیدھا راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حسد اور بغض کی وَجہ سے دوسرے ممالک اور اقوام پر قبضہ کرنے کے لالچ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس طرح وہ دوسرے ملکوں کے وسائل اور زمینوں پر قبضے کی خواہش یا حسد اور کینے ایسے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے سے لڑائیاں لڑتے ہیں۔ جب حکمرانوں کے درمیان کثرت سے ایسے جھگڑے ہونے لگتے ہیں تو پھر انھیں ایک "خلیفہ" (بین الاقوامی حکومتی نظام کے قائد) کی ضرورت پیش آتی ہے (جو عدل وانصاف قائم کرے)۔

["خلیفہ" (بین الاقوامی حکومتی نظام کے قائد) کی ذمہ داریاں]

خلیفہ وہ ہے جسے ایسی کثیر عساکر وافواج اور جنگی ساز وسامان حاصل ہو، جو کسی اَور کے لیے حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ ایسی طاقت اور قوت کہ کوئی اَور آدمی اس سے حکومت نہ چھین سکے۔ اس لیے کہ خلافت کا ایسا بین الاقوامی نظام بہت سی مشکلات، عظیم جدوجہد، کثیر اجتماعات اور بہت زیادہ مال خرچ کرنے کے بعد ہی عملی طور پر قائم ہوتا ہے۔ عام طور پر ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب ایسا خلیفہ (عادلانہ حکومتی نظام) وجود میں آجائے اور وہ ممالک میں بہترین سیرت اور کردار کا مظاہرہ کرے، ظالم اور جابر حکمران اس کی حکومت کے سامنے جھک جائیں اور باقی دیگر ملکوں کے حکمران اس کے تابع فرمان بن جائیں تو اس طرح کل انسانیت کے لیے ترقی اور خوش حالی کی نعمت مکمل ہوجاتی ہے۔ دنیا بھر کے ممالک، شہر اور وہاں بسنے والے لوگ اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

[خلیفہ کے فرائض اور ذمہ داریاں]

خلیفہ کو (بین الاقوامی فساد کے خاتمے کے لیے درجِ ذیل وجوہات کے پیشِ نظر) لڑائی اور جنگ کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے:

(1) (انسانیت کا دفاع:) انسانیت کو لاحق ہونے والے خطرات کو دور کرنے کے لیے ایسے درندہ صفت انسانوں سے جنگ لڑنا، جو:

(الف) لوگوں کے مال لوٹتے ہیں۔ (ب) ان کی اولاد کو غلام بناتے ہیں۔

(ج) قوموں کی عزت اور احترام کی دھجیاں اُڑاتے ہیں۔

یہی وہ ضرورت ہے، جسے پورا کرنے کے لیے بنی اسرائیل نے "اپنے نبی سے کہا کہ: ہمارے لیے ایک حکمران مقرر کیجیے، تاکہ ہم اللہ کے راستے میں قتال کریں۔" (246:2)

(2) (بدکردار لوگوں کی طاقت کا خاتمہ:) شہوت پرست، درندہ صفت اور زمین میں فساد مچانے والے لوگوں کی طاقت اور قوت کا خاتمہ اوّل دن سے ہی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انبیا علیہم السلام کے واسطے سے یا براہِ راست خلیفہ کے دل میں یہ الہام ڈالتا ہے کہ:

(الف) ایسے لوگوں کی شان وشوکت اور طاقت چھین لی جائے۔

(ب) جن لوگوں کی اصلاح کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو انھیں قتل کردیا جائے۔

ایسے لوگوں کی نوعِ انسانیت کے حوالے سے مثال ایسی ہے، جیسا کہ جسمِ انسانی میں کوئی عضو کینسر زدہ ہونے کی وَجہ سے ناکارہ ہوجاتا ہے (اور اسے کاٹنا پڑتا ہے)۔

یہی وہ ضرورت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے: "اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی نمازیں اور مساجد تباہ وبرباد ہوجاتیں۔" (القرآن 40:22) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔" (193:2)

(3) (بین الاقوامی ذمہ داریوں کی ادائیگی:) خلیفہ کے لیے جابر اور ظالم حکمرانوں سے لڑائی لڑنا اور اُن کی شان وشوکت کو توڑنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک کہ بہت بڑی عسکری قوت اور مالی وسائل حاصل نہ کرلیے جائیں۔ اس سلسلے میں خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر ایک قوم سے لڑائی اور صلح، ٹیکس اور جزیہ وغیرہ سے متعلق امور اور ان کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھے۔ وہ اس پر سوچ وبچار کرے کہ کسی قوم کے خلاف کسی اقدام کا مقصد کیا ہے؟ ظلم دور کرنا ہے؟ یا ایسے درندہ صفت اور بدفطرت لوگوں کا خاتمہ ہے، جن کی اصلاح ممکن نہیں؟ یا پست درجے کے بدکردار لوگوں کی طاقت وقوت کو توڑنا ہے؟ یا زمین میں فساد مچانے والی قوم کو سزا دینا ہے؟ پھر ایسا کرنے کے لیے ان کے سرداروں اور حکمرانوں کا خاتمہ کافی ہے؟ یا ان تمام کو گرفتار کرکے قید میں رکھنا مناسب ہے؟ یا ان کے مالوں اور زمینوں پر قبضہ ضروری ہے؟ یا وہاں کے حکمران طبقے سے اُن کی عوام کا رُخ موڑنا کافی ہے؟

خلیفہ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی اشد ضرورت اور مقصدِ متعین کیے بغیر کسی قوم کے خلاف کوئی اقدام کرے۔ اس اقدام کا مقصد محض مال جمع کرنا نہیں ہونا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس اقدام کے نتیجے میں عدل وانصاف کے نظام کی موافقت کرنے والی سچی جماعت فنا ہوجائے۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
ایک مثالی حکمران

اموی دورِ حکومت کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت سے ہوا۔ حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد ربیع الاوّل ۴۱ھ/ 661ء میں حضرت معاویہؓ کی عام بیعت ہوئی۔ حضرت معاویہؓ متفقہ طور پر پوری ملت کے امیر المؤمنین مقرر ہوئے، اگرچہ اس سے پہلے خلافتِ راشدہ کے مختلف ادوار میں آپؓ اہم عہدوں پر فائز رہے۔ مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت صدیقؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کا گورنر بنایا تو حضرت معاویہؓ کو ان کا نائب مقرر کیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بھی یہ نظم برقرار رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸ھ/ 639ء میں حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے بعد حضرت معاویہؓ کو شام کا حکمران بنایا۔ ۱۸ھ سے ۴۱ھ تک آپؓ دمشق اور ملحقہ علاقوں کے گورنر رہے۔ آپؓ نے عملاً ثابت کیا کہ آپؓ ایک مثالی حکمران ہیں، جس کی بنا پر حضرت عمرؓ کا اعتماد روز افزوں ہوتا گیا۔

حضرت عمرؓ جب بیت المقدس گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان کا شان وشوکت کے ساتھ استقبال کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ سادگی کیوں چھوڑ دی؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ: ''شام کی سرحد پر قیصرِ روم کی فوجوں کا اجتماع رہتا ہے۔ اس کے جاسوس ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ قیصر کو مرعوب رکھنے کے لیے ظاہری شان وشوکت کی ضرورت ہوتی ہے۔'' یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا: ''امیر المؤمنین! یہ کس خوب صورتی سے اپنے آپ کو بچا گئے۔'' تو حضرت عمرؓ کہنے لگے: ''جب ہی تو ہم نے یہ ذمہ داری ان پر ڈالی ہے۔'' (العواصم من القواصم، از ابوبکر ابن العربیؒ)

شام کے حکمران کا رومیوں سے مقابلہ رہتا تھا۔ ایسی جگہ کا حکمران ایسا شخص ہوسکتا تھا، جس میں غیر معمولی قابلیت ہو اور وہ قابلِ اعتماد ہو۔ جس سے امورِ جہاں بانی میں کمزوری کا خدشہ نہ ہو۔ یہ خوبیاں حضرت معاویہؓ میں بہ درجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ شام کی 23 سالہ گورنری اور 20 سالہ خلافت کے زمانے میں آپؓ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ آپؓ کا نام اسلامی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ''میں نے معاویہؓ سے زیادہ امورِ مملکت کے لائق کسی اَور کو نہیں دیکھا۔'' اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہؐ کے بعد معاویہؓ سے زیادہ امورِ مملکت میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔'' آپؓ سے کہا گیا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ کو بھی؟ آپ نے فرمایا کہ: ''وہ سب معاویہؓ سے افضل و بہتر تھے، لیکن معاویہؓ طریقِ جہاں بانی میں ان سے منفرد تھے۔'' (البدایہ والنہایہ، ج8، ص135)

جب قیصرِ روم نے اسلامی سرحدوں پر فوجیں جمع کیں تو حضرت معاویہؓ نے اسے خط لکھا: ''اے لعین! بہ خدا اگر تو اس کارروائی سے باز نہ آیا تو میں اور میرا چچازاد بھائی علیؓ اکٹھے ہوکر تجھے تیرے شہروں سے نکال باہر کریں گے۔ اور زمین کو باوجود وسعت کے تجھ پر تنگ کردیں گے۔'' اس جواب پر قیصرِ روم نے خوف زدہ ہوکر صلح کا پیغام بھیجا۔

ملکی معیشت — محمد کاشف شریف، راولپنڈی

معیشت کی ترقی یا ترقیٔ معکوس

معیشت کے بارے میں آنے والے اعداد وشمار میں کچھ حوصلہ افزا خبریں بھی تھیں، جن میں جولائی کے دوران تجارتی خسارے میں گزشتہ سال کی نسبت 73 فی صد کمی، بالآخر ڈالر کے خلاف روپے کی قدر میں استحکام، جاری مالی سال کی پہلے دو ماہ میں بجٹ ہدف کی 90 فی صد وصولی، گردشی قرضوں کی بڑھوتری میں سست روی اور بجلی کے شعبے میں قریباً 100 ارب روپے کے واجب الادا بلوں کی وصولی، ٹیکس ریفنڈ کے نئے نظام کے تحت 22 ارب روپے کی ادائیگی۔ معیشت کے حوالے سے یہ خبریں دو باتوں کا پتہ دے رہی ہیں: ایک بین الاقوامی منڈی میں پاکستان مقابلے میں شامل ہونے کے لیے اپنی پوزیشن پر آرہا ہے، لیکن ہماری صنعت کا عمومی ڈھانچہ ابھی اس چیلنج کو لینے کے قابل نہیں ہوا۔ دوسرا انفرادی سطحوں پر کچھ ذمہ داران کی کوشش اور کاوش سے ٹیکس، بجلی اور گیس سے متعلق انتظامی ڈھانچہ کچھ متحرک ہوا ہے۔ لیکن اسی مدت کے دوران کچھ خبریں بُری بھی تھیں، جن میں پاکستان پر اندرونی اور بیرونی قرض کی رقم بڑھ کر 400 کھرب روپے تک جا پہنچی ہے۔ روپے کی قدر میں بہ تدریج کمی اور سٹیٹ بینک کی جانب سے شرح سود میں بے پناہ اضافے کی وجہ سے قومی خزانے پر سود کی ادائیگی کا بوجھ تین گنا ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ سال 19-2018ء کا بجٹ خسارہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا خسارہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملکی اخراجات میں کمی نہیں ہوئی اور آمدن پہلے سے کم رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اخراجات میں سب سے بڑا خرچ مالیاتی اداروں کو سود کی ادائیگی رہا، جو یومیہ 8.5 ارب روپے بنتا ہے۔ جو معاملے کی سنگینی کو مزید بڑھا دیتا ہے، کیوں کہ معیشت پر قرضوں کا بوجھ کسی بھی کامیابی کو ناکامی میں بدل سکتا ہے۔

پاکستان کی موجودہ حکومت کوئی انقلابی حکومت نہیں۔ نہ ہی وہ عام اور بے بس عوام کی ایما پر منصبِ اقتدار پر آئی ہے اور نہ ہی اس کا حقیقی ایجنڈا عوام کی فلاح ہے۔ ایسے میں موجودہ حکومتی ٹیم کا فعال، مستعد اور مخلص ہونا محال ہے۔ FATF کے ورکنگ گروپ کی ایک رپورٹ نظر سے گزری، جس کے مطابق پاکستانی وفد میں موجود افراد تو تیاری کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور ان کی کاغذی کارروائی پوری ہوتی ہے، لیکن جب اس کارگزاری کی پڑتال کرنے کے لیے صوبائی اور ضلعی سطح کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہاں کی منتظمہ اُن امور سے بالکل نابلد ہوتی ہے، جو مرکزی ٹیم نے بیان کیے تھے۔ اور یہ کہ مرکزی ٹیم اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے اعداد وشمار میں ہیر پھیر سے بھی گریز نہیں کرتی۔ ہماری افسر شاہی کا یہی انداز باقی تمام محکموں میں ہے۔ چناں چہ حکومت کوئی فیصلہ کرتی ہے تو اس پر عمل درآمد کے راستے میں ہر حوالے سے، خواہ وہ ذاتی نوعیت ہو یا مہارت میں کمی، رُکاوٹیں پیدا کردی جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں سال گزر جانے کے باوجود محکموں کی کھینچا تانی اور نااہلی قوم کو یومیہ 8.5 ارب سے کہیں زیادہ کی پڑتی ہے۔ ہوگا یوں کہ دوڑ دھوپ تو بہت کی جائے گی، لیکن اندازہ ہے کہ نااہل ٹیم اور فرسودہ نظام ہماری ترقیٔ معکوس کا سفر جاری رکھے گا۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

تنازعۂ کشمیر اور اس کے حل کی کوششیں

کشمیر کو اس کی قدرتی خوب صورتی کی بنیاد پر مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے کہا تھا: ''کشمیر زمین پر جنت ہے۔'' (توزکِ بابری) وادیٔ کشمیر برصغیر پاک و ہند کا شمال مغربی علاقہ ہے، جس میں وادیٔ کشمیر، جموں اور لداخ شامل ہیں۔ کشمیر کا کل رقبہ 2,22,236 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ 2011ء کے مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی 1 کروڑ 25 لاکھ 41 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ وادی ہمالیہ اور پیر پنجال کے پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہے۔ بھارت اس وقت کشمیر کے سب سے زیادہ حصے یعنی 1,01,387 مربع کلومیٹر، جب کہ پاکستان 85,846 مربع کلومیٹر اور چین 37,555 کلومیٹر علاقے کا کنٹرول سنبھالے ہوئے ہے۔ وادیٔ کشمیر میں 95 فی صد، جموں میں 28 فی صد اور لداخ میں 44 فی صد مسلمان آباد ہیں۔

تقسیم ہند کے موقع پر خطے میں 562 نوابی ریاستوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کر سکتے ہیں۔ 26/ اکتوبر 1947ء کو کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی ریاست کے انڈیا کے ساتھ الحاق کے لیے تحریری درخواست دی جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اگلے ہی روز اس شرط کے ساتھ قبول کر لی کہ ریاست کے مقدر کا فیصلہ عوام کی خواہشات کے مطابق کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہندوستان کی فوجیں کشمیر کے ایک حصے پر قابض ہوگئیں۔ پاکستان کی فوجیں بھی بریگیڈیئر اکبر کی قیادت میں کشمیر میں داخل ہوگئیں اور یوں دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر جھگڑا شروع ہوا۔ 1965ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان 17 روزہ لڑائی کے بعد سوویت یونین کے اس وقت کے وزیراعظم کوسیجن کی میزبانی میں 10/ جنوری 1966ء کو تاشقند میں ہونے والے سمجھوتے میں بھارتی وزیراعظم لال بہادر شاستری اور پاکستان کے صدر ایوب خان نے طے کیا کہ کشمیر سمیت تمام مسائل بات چیت کے ذریعے پرامن طور پر طے کیے جائیں گے اور دونوں ممالک اچھی ہمسائیگی کے اصول پر کاربند رہیں گے۔ 1971ء میں پاک بھارت کے درمیان پھر جنگ ہوئی، جس کے نتیجے میں صدر ذوالفقار علی بھٹو اور بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کے درمیان بھارت کے مشہور شہر اور صحت افزا مقام شملہ میں 28/ جون سے لے کر 2/ جولائی 1972ء تک مذاکرات کے کئی ادوار منعقد ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ایک سمجھوتہ طے پایا، جسے 'شملہ سمجھوتہ' کہا جاتا ہے۔ اس سمجھوتے میں دونوں ملکوں نے اتفاق کیا کہ کشمیر سمیت تمام مسائل دوطرفہ بنیادوں پر حل کیے جائیں گے۔ اس معاہدے کے بعد یہ مؤقف اختیار کر لیا گیا کہ مسئلہ کشمیر صرف دوطرفہ بنیادوں پر ہی حل کیا جا سکتا ہے اور اس میں کسی تیسرے فریق کی ثالثی قبول نہیں کی جائے گی۔ شملہ سمجھوتے کے بعد بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما اور بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے ایک دفعہ پھر مسئلہ کشمیر حل کرنے کی کوشش کی۔ اپنے پہلے دور میں وہ بس میں بیٹھ کر لاہور آئے اور اس وقت کے پاکستانی وزیراعظم نواز شریف کے ہمراہ خیر سگالی کے جذبے کے تحت مینارِ پاکستان کا دورہ کیا۔ اس دورے میں واجپائی نے کشمیر سمیت تمام مسائل کو پُرامن طور پر حل کرنے کے عزم کا 21/ فروری 1999ء کو ''لاہور اعلامیہ'' کی صورت میں اعادہ کیا۔ واجپائی کے اس دورے کو مسئلۂ کشمیر اور پاکستان بھارت تعلقات کے حوالے سے یادگار قرار دیا جاتا ہے۔ اس دورے کے کچھ ہی عرصے بعد دونوں ملکوں کے درمیان پھر کارگل کی لڑائی ہوگئی۔ پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کے برسرِاقتدار آنے کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات ایک دفعہ پھر سرد مہری کا شکار ہوگئے۔ تاہم واجپائی نے اپنی دوسری مدت کے دوران صدر مشرف کو آگرہ آنے کی دعوت دی۔ 14-16/ جولائی 2001ء تین روزہ دونوں رہنماؤں کے مابین کشمیر کے مسئلے کے حل کے سلسلے میں جامع مذاکرات ہوئے۔

اس وقت کے وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری نے اپنی کتاب "Neither a hawk nor a dove" میں لکھا ہے کہ ''آگرہ سمجھوتہ'' میں دونوں ممالک مسئلۂ کشمیر کے حل کے جس قدر قریب پہنچے، اس سے قبل کبھی نہیں پہنچے تھے۔ اس بات کی تصدیق امریکا کے سابق نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں کی ہے، جس میں اس کا کہنا تھا کہ واجپائی اور مشرف نے مسئلۂ کشمیر کے حل کے خدوخال طے کر لیے تھے۔ دونوں ملکوں کے درمیان یہ دیرینہ مسئلہ حتمی حل کے انتہائی قریب پہنچ گیا تھا۔ تاہم پاکستان میں پرویز مشرف کی حکومت پر گرفت کمزور پڑنے اور بھارت میں انتہاپسند مؤقف رکھنے والوں کی مزاحمت کے باعث یہ مسئلہ ایک دفعہ پھر التوا کا شکار ہوگیا۔ اس تنازعے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مقامی آبادی کی جانب سے بغاوت اور ہمسایہ ملک کی طرف سے مسلح قبائلیوں کی دراندازی کا ہونا کسی منظم سازش کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایسا ہونا برطانوی ایما کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ایران کے لیڈر کا یہ تبصرہ تاریخی حقیقت کا عکاس ہے کہ: ''کشمیر کی موجودہ صورتِ حال اور پاک بھارت تنازعات برطانوی حکومت کے برصغیر چھوڑتے وقت دانستہ شیطانی وسفاکانہ اقدامات کا نتیجہ ہیں۔ برطانیہ جان بوجھ کر خطے میں یہ رستا ہوا ناسور چھوڑ گیا تھا، تاکہ جنوبی ایشیا میں جھگڑے جاری رہیں۔''

بھارتی اور پاکستانی فوجوں نے جن علاقوں پر 1947ء میں قبضہ کیا تھا، وہ علاقے آج بھی اسی طرح انھی ملکوں کے زیرکنٹرول ہیں۔ طویل عرصے تک کسی علاقے پر قبضہ اس کی شناخت اور اس کا حصہ بنا دیتا ہے۔ آج کے دور میں وہ علاقہ اس سے واپس لینا اس کی سیاسی شکست قرار دیتا ہے۔ دونوں قوموں نے جو سمجھوتے بھی کیے ہیں، ان میں دونوں ملکوں کے قبضوں کو تسلیم کیا گیا، البتہ لڑائی کو ختم کر کے دونوں ملکوں کو اچھی ہمسائیگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے لیے طرفین نے رائے عامہ ہموار کرنے پر اتفاق کیا۔ پاکستان کی کوشش ہے کہ بھارت اپنے اس اقدام سے پیچھے ہٹے اور کشمیر کی خصوصی حیثیت بحال کرتے ہوئے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو تسلیم کرے اور پھر مذاکرات کی میز پر بیٹھے۔ جب کہ بھارت کے لیے اس وقت پیچھے جانا بہت بڑی ناکامی ثابت ہوگی۔ اس لیے آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ایشیائی طاقتیں جہاں یہ دونوں ممالک برابر کے رکن ہیں، باہم مل کر بیٹھیں اور باہمی گفت وشنید کے ذریعے ممکنہ حل تک پہنچیں۔

www.rahnumia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

موت ایک اٹل حقیقت ہے

13 ستمبر 2019ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! انسانی زندگی پچاس ساٹھ سال کے اس دورانیے پر مشتمل نہیں ہے، جو اس دنیا میں انسان گزارتا ہے۔ انسان اشرف المخلوق ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک لمبے اور طویل سفر کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کی ایک طویل ترین زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے، جو اس دنیا کی زندگی سے کہیں زیادہ لمبی ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ہمارے آباؤ اجداد کو مرے ہوئے ہزاروں سال ہو چکے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو انتقال کیے ہوئے ہماری گنتی کے مطابق آٹھ دس ہزار سال ہو چکے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کا دورانیہ چھ سات ہزار سال کا ہے۔ ایسے ہی دیگر انبیاؑ اور اولیاؒ ہیں، جو طویل عرصے سے عالمِ برزخ اور عالمِ قبر میں موجود ہیں۔ پتہ نہیں ہماری موت کے بعد ہمارا دورانیہ کتنا لمبا ہوگا! اس لیے تیاری اس حساب سے کرنی چاہیے کہ موت کے بعد کی زندگی میں بھی کامیابی ہو۔ دنیا میں انسان ایسے اعمال اور اَخلاق کرے، ایسا اجتماعی نظام بنائے کہ نہ صرف وہ خود اس سے فائدہ اٹھائے، بلکہ اُس کے کاموں کا اثر اور فائدہ دیگر مخلوقِ خدا کو ہو۔ اس کی موت کے بعد بھی وہ انسانیت کے فائدے کا کام اور سلسلہ چلتا رہے۔

امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے انبیا علیہم السلام نے مختلف تذکیرات کو بنیاد بنا کر انسانیت کو اپنی تعلیمات سکھائیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے انعامات کو سامنے رکھ کر انسانیت کی رہنمائی کی تھی۔ اس کی بنیاد پر انھوں نے انسانوں کو اپنا نظریہ سکھایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماضی کے انبیا علیہم السلام کی جدوجہد اور کوشش اور ان انبیاؑ کے مقابلے کے فراعین، نمرود و شداد کے تذکرے کے تناظر میں اپنی تعلیمات واضح کیں۔ اسی طرح دیگر انبیاؑ کی مثالیں بھی ہیں۔ امام الانبیا ﷺ نے اپنی تمام تر تعلیمات کی نصیحت موت اور اس کے بعد آنے والا حالات کی تذکیر سے کی ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے انسانوں کو اچھا انسان بنانے کے لیے جو علم و فلسفہ انسانیت کے سامنے رکھا ہے، وہ علم التذکیر بالموت و مابعدہٗ، یعنی موت کو یاد رکھنے اور موت کے بعد کے مراحل میں انسان کے ساتھ کیا گزرتی ہے، اس کی تفصیلات بیان کر کے ایک انسان کو اعلیٰ اَخلاق کا حامل اچھا مسلمان بننے اور انسانیت کی ترقی کے لیے کردار ادا کرنے پر تیار کیا۔ آپؐ نے انسانیت کو موت کے بعد کے مراحل کے تناظر میں اپنی تعلیمات سمجھائیں۔ اس لیے قرآن حکیم نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ'' (185:3) (ہر انسانی جان کو موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے۔) موت کے بعد کی زندگی کے مراحل اصل ہیں، جنھیں سامنے رکھ کر انسان کو اس دنیا کی زندگی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔''

موت کے بعد اعمال کے نتائج کا دور

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اکثروا ذکر ھازم اللّذات'' (لذتوں کو توڑنے والی (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو) (سنن ابن ماجہ، حدیث 4258) یہ موت تمھاری دنیا کی لذتوں اور خواہشات کا خاتمہ کرتی ہے۔ انسان چوں کہ خواہش پرست ہے، لذتوں کے پیچھے بھاگتا ہے تعیّشات میں مبتلا ہوتا ہے، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا ہے، رشوت لیتا اور دیتا ہے، کرپشن کرتا ہے، لوٹ مار کرتا ہے، چوہدراہٹ اور جاہ پرستی قائم کرنا چاہتا ہے، ناجائز حکمرانی کا جذبہ رکھتا ہے، اس کی بے انتہا خواہشات ہیں، جنھیں توڑنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، جسے نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ ان لذتوں کو توڑنے والی اس موت کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ انبیا علیہم السلام اور اولیاؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ہر لمحے اپنی موت کو یاد رکھتے ہیں۔ جو عمل بھی کرتے ہیں تو اس کو موت کے پیمانے پر پرکھتے ہیں کہ کیا موت کے بعد کے معاملات میں میرا یہ عمل فائدہ دے گا یا کسی نقصان کا باعث بنے گا۔ یہ عمل انسانیت کے فائدے کا ہے یا نقصان کا ہے۔

دنیا میں انسان کے پاس بڑا محدود وقت ہے۔ یہاں پر انسانی دماغ اپنی پوری زندگی میں بہ مشکل پانچ یا چھ فی صد کام کرتا ہے۔ اس دماغ نے جو فیصلے کیے، آپ کے دل نے جو ارادے اور عزائم قائم کیے ہیں، آپ کے وجود نے جو اعمال و کردار ادا کیے، یہی وہ پرچہ ہے، جو آپ نے حل کرنا ہے۔ اسی کے اثرات و نتائج (results) موت کے بعد کی زندگی میں جب دماغ کی باقی پچانوے فی صد پرتیں کھلیں گی، ان پر ظاہر ہوں گے۔

قرآن حکیم نے ایک بڑی واضح بات کی ہے کہ: وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ (185:3) (موت کے بعد تمھارے اعمال کا تمھیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔) اس لیے کہ یہ دنیا آخرت کے لیے کھیتی ہے۔ یہاں جو بھی کچھ بوئیں گے، اس کا نتیجہ مرنے کے بعد ظاہر ہونا ہے۔ جیسا یہاں عمل ہوگا، ویسا ہی نتیجہ موت کے بعد ظاہر ہوگا۔ مرنے کے بعد انسان کے تمام اعمال اور تعلقات سامنے آئیں گے۔ جب انسان دنیا میں کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کے اثرات محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس کے دونوں کندھوں پر بیٹھے ہوئے منکر نکیر روزانہ کے اعمال کا ڈیٹا (data) لیتے ہیں۔ اس کی ایک ایک حرکت، ایک ایک بات ان کے ریکارڈ میں ہے۔ جیسے دنیا میں آپ اپنی آڈیوز اور ویڈیوز کے ذریعے سے لوگوں کی ہر ہر حرکات و سکنات کا حساب کتاب کر لیتے ہیں۔ لمحے لمحے کی رپورٹ آپ کے پاس ہوتی ہے۔ اندازہ کیجیے کہ اللہ پاک نے کتنے اونچے درجے کا کیمرہ لگایا ہوا ہوگا کہ جو آپ کی ہر ہر حرکت، ہر ہر بات، ہر ہر چیز کو ریکارڈ کرتا ہے۔ ایک ایک عمل اور ایک ایک کردار اس کے ہاں محفوظ ہے۔ اسی کے مطابق تمھارے اعمال، اَخلاق، کردار اور تمھاری ہر ہر بات کا پورا پورا ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جائے گا اور اللہ پاک نے فرمایا کہ کھجور کی گٹھلی کے اندر چھپے سفید دھاگے کے برابر بھی تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (القرآن 49:5)''

www.rahimia.org

قانون شکنی کا مزاج
اور موت کی یاد سے غفلت

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ارشادِ ربانی ہے: ''وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ'' (185:3) (دنیا کی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے)۔ 'متاع' عربی میں اس پُرانے بوسیدہ کپڑے کو کہتے ہیں، جسے لوگ ناک وغیرہ صاف کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور پھر پھینک دیتے ہیں، جیسے آج کل ٹشو پیپر ہے۔ ایسے ہی دنیا کی تمام چیزیں محض ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہیں۔ انھیں انسان کو ضرورت کی حد تک ہی رکھنا چاہیے۔ اپنی معیشت متوسط رکھے۔ شریعتِ اسلام نے تعیش پسندی پر مبنی معیشت سے منع کیا ہے۔ تمام انسانوں کو سہولتیں پہنچانا، مجموعی طور پر ملک اور قوم کے مفاد کو بلند کرنے کے لیے معیشت کی ترقی کا قومی نظام اور بیت المال کو مضبوط بنانا، تاکہ غریبوں کے مسائل زیادہ بہتر طریقے سے حل ہوں، جس کے ذریعے ملک کی اجتماعی طاقت اور قوت پیدا ہو، لازمی اور ضروری ہے۔ ہر روز صبح فجر کے وقت دو فرشتے اُترتے ہیں، جن میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے کہ: ''اللّٰھمّ أعط منفقاً خلفاً'' (اے اللہ خرچ کرنے والے کو اَور دے)۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ: ''اللّٰھم أعط ممسکاً تلفاً'' (صحیح مسلم، حدیث 2336) (اے اللہ مال کو روک کر رکھنے والے بخیل (کے مال) کو تباہ کردے)۔ فرد اپنی ذات کی قربانی دے کر دنیا کی زندگی میں اجتماعیت کی بقا کے لیے کردار ادا کرے۔ انسانی اجتماعیت کی ہمدردی اور پوری سوسائٹی کے لیے اجتماعی خدمات سرانجام دینا ہی اصل مقصدِ حیات ہے۔

امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ہر ایک کے لیے عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے نبی اکرمؐ آئے۔ آج ہم نے اپنے آپ کو طبقات میں بانٹ لیا۔ اس کے نتیجے میں ہم انسانی قوانین توڑتے ہیں۔ کم تولتے، کم ناپتے، رشوت لیتے اور دیتے ہیں۔ دوسروں کے مالوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ جھوٹے مقدمات قائم کرتے ہیں۔ اور موت کو یاد نہیں رکھتے۔ ہماری ملک کی اجتماعی خرابی کا عالم یہ ہے کہ حکومتی ادارے جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے۔ کتنی ہی دفعہ عالمی اداروں نے آپ کی حکومت پر معیشت کے جھوٹے اعداد و شمار پیش کرنے کی وَجہ سے جرمانے لگائے۔ سیاست دان جھوٹی سیاست کرتے ہیں۔ جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ اور تو اور مذہبی علما بھی جھوٹ بولتے اور پیسے بٹورنے اور نذر و نیاز کی وصولی کے لیے مذہب کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ جھوٹے فتوے دیتے ہیں۔ آج موت کیوں یاد نہیں؟ مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود ہمارے اَخلاق بگڑے ہوئے ہیں۔ حج پر حج کرتے ہیں۔ عمرے پر عمرے کرتے ہیں۔ نمازوں پر نمازیں پڑھتے ہیں۔ تسبیحات پر تسبیحات گھماتے ہیں، لیکن ہمارے اَخلاق درست نہیں۔ ہمارے اجتماعی معاملات درست نہیں۔ ہماری سوسائٹی میں خرابی ہے۔ ہمیں موت بھول گئی۔ اس دنیا کی محض ساٹھ ستر سال کی زندگی کے لالچ میں ہم دنیا بھر کی ہر بداَخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔''

آدمی جس سے محبت کرتا ہے
حشر میں اُسی کے ساتھ ہوگا

صابر ضمیر صدیقی مرحوم کو خراجِ تحسین

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو موت کو یاد رکھتے ہیں اور اپنی زندگی بھر کے تمام اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے دیرینہ رفیق صابر ضمیر صدیقیؒ جو پرسوں بروز بدھ کو ادارہ رحیمیہ لاہور میں فوت ہوئے اور ابھی نمازِ جمعہ کے بعد ہم یہیں ان کی نمازِ جنازہ ادا کریں گے۔ الحمدللہ! انھوں نے چھہتر سال کی بھرپور زندگی گزاری اور اپنے ہر عمل کا محاسبہ کیا۔ انھیں اپنی سرکاری سروس میں بہت سی زیادتیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، ان کے جونیئر ز سینئرز بنا دیے گئے۔ ان کو پیچھے دھکیل دیا گیا۔ کبھی ملک کے دور دراز اور گرم علاقوں میں ٹرانسفر کردیا گیا، کبھی کہیں ٹرانسفر کردیا گیا۔ انھوں نے اپنے حق کے لیے مقدمے تک خود لڑے، لیکن کسی کو رشوت نہیں دی، نہ کسی سے رشوت لی۔ کسی کونے کھدرے میں بیٹھ کر دنیا سے علاحدگی اختیار کرکے، تسبیحات گھما کر ساتویں آسمان پر پہنچنا بہت آسان ہے، کیوں کہ آپ کا لوگوں سے انٹریکشن ہی نہیں ہے تو پھر آپ کا امتحان ہی کیا ہے؟ آپ دنیا کے اندر رہیں، پبلک سرونٹ ہو کر پبلک کے ساتھ آپ کی ڈیلنگ ہو، اور پھر آپ وہاں بالکل اپنے آپ کو صحیح طریقے سے رکھیں، یہ کمال کی بات ہے۔ انسانوں کے اندر رہتے ہوئے انسانوں کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے آپ کو ڈسپلن میں رکھتے ہوئے حقوق تلفی سے اپنے آپ کو بچانا، یہ خصوصیت اس مردِ درویش صدیقی صاحبؒ میں تھی۔ یہ مشائخِ رائے پور کی صحبت کا اثر تھا کہ صدیقی صاحبؒ ہر بات میں حق پر ڈٹے رہے۔ خود سلسلۂ رائے پور سے وابستہ ہوئے، اپنے خاندان کو جوڑا، ذکر اذکار کے پابند رہے اور اپنے افعال و کردار اور معاملات کو درست رکھا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب بھی کوئی تکلیف یا مسئلہ درپیش ہوتا تو میں اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ جیسے قبر میں لیٹا ہوا ہوں۔ اپنی موت یاد رکھتا ہوں۔ جو نسبت حضرتؒ کی تھی، وہی نسبت حضرتؒ کے مخلصین سچے لوگوں کی بھی ہے۔ جن لوگوں نے حضرتؒ کی صحبت سے یہ فیض پایا، تو انھوں نے اپنی پوری زندگی میں اپنے تمام معاملات کو عدل و انصاف کے مطابق رکھا۔ انسانی حقوق بھی ادا کیے اور اللہ کا حق بھی ادا کیا۔ مصیبتوں اور مشقتوں پر صبر کیا۔ اپنی موت کو یاد رکھا۔ جو اس طریقے سے زندگی بسر کرتے ہیں، یقیناً اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: ''المرء مع من أحبّ'' (صحیح بخاری، 6169) (آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے، اس کا حشر اُن کے ساتھ ہوگا۔) یقیناً صابر ضمیر صدیقی صاحبؒ کے قلب میں جن مشائخ اور بزرگوں کی محبت تھی، اُن کا حشر انھیں کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے۔ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ ہمیں بھی اپنا سچا تعلق اُن مشائخ کے ساتھ قائم کرنے، دین کے نظریے کو سیکھنے اور اسے غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

سیّدالمِلّت حضرت مولانا سیّد محمد میاں دہلویؒ

حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ کی شخصیت تاریخ میں اس حوالے سے نمایاں مقام کی حامل ہے کہ انھوں نے بہ یک وقت علمی اور عملی کام سرانجام دیے ہیں۔ سیرت نگاری ہو یا تاریخی موضوعات، سیاسی نقطۂ نظر کو معروضی حقائق کے تناظر میں بیان کرکے اس پر عملی جدوجہد ہو، یا دینِ اسلام کے دیگر شعبوں میں تصانیف و تالیفات، غرض یہ کہ ہر اعتبار سے وہ ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ مولانا محمد میاںؒ کی ولادت سیّد منظور محمدؒ کے گھر ۱۲/ رجب ۱۳۲۱ھ/ 4/ اکتوبر 1903ء بمقام محلّہ پیرزادگان دیوبند میں ہوئی۔ قرآنِ حکیم کی ابتدائی تعلیم اور فارسی سیکھنے کے بعد انھیں 1916ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کروایا گیا، جہاں وہ 1925ء تک زیرِتعلیم رہے اور دینی علوم کی تکمیل کی۔ 1926ء میں مدرسہ حنفیہ شاہ آباد میں تدریس کا آغاز فرمایا، لیکن مدرسے کو انگریز سرکار کی امداد ملنے کی وَجہ سے اُس سے الگ ہوگئے۔ مولاناؒ کی سیاسی زندگی کا آغاز 1926ء میں جمعیت علمائے ہند کے اجلاس کلکتہ میں شرکت سے ہوتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر اکابرین کے ہمراہ مولاناؒ اس اجلاس میں شریک تھے، جس کے بعد انھوں نے خود فرمایا تھا کہ: ''پہلے میں صرف ایک گوشہ نشین مدرّس تھا اور اب جنگِ آزادی کا سپاہی بن گیا، جس کو قید و بند اور دار و رسن کے خواب آنے لگے۔''

1929ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قائم کردہ مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں مدرس کے طور پر تعینات ہوئے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد میں محض تعلیم و تدریس کا کام ہی نہیں ہوتا تھا، بلکہ ان دنوں زیرِ تعلیم طلبا کی سیاسی تربیت اور ذہن سازی بھی مدرسے کے اغراض و مقاصد میں شامل تھی۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ طلبا میں اساتذہ کے حکم پر اپنی جان قربان کرنے کے جذبات پیدا ہوگئے تھے۔ حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ ہی کسی نہ کسی انداز سے طلبا کی سیاسی تربیت اور ذہن سازی کرتے رہتے تھے۔ چناں چہ طلبا وطنِ عزیز کی آزادی کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھنے لگے تھے۔

1929ء میں ہی جمعیت علما امروہہ کے اجلاس میں مولانا محمد میاںؒ کو پہلے نائب ناظم اور پھر ناظم کے طور پر نامزد کیا گیا۔ آزادی کے حصول کے حوالے سے جدوجہد اور ان کی تنظیمی کارکردگی کی بنیاد پر جلد ہی صوبہ آگرہ کے صوبائی ناظم کی حیثیت سے تقرری عمل میں آئی۔ آزادی کی اس جدوجہد میں مولاناؒ کو دیگر اکابرین کی طرح بہت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ 1930ء کے الیکشن مرادآباد میں انگریز پولیس نے مزاحمت کی اور مجمع پر گولیاں چلانے کا حکم دیا تو مولاناؒ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پامردی سے جمے رہے۔ اس واقعے میں بہت سے لوگ شدید زخمی بھی ہوئے، جن کی فکر مولاناؒ کو ہمہ وقت لگی رہتی تھی۔

1932ء میں جب کہ سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی، اس موقع پر جمعیت علمائے ہند نے تمام تنظیمی عہدوں کو ختم کرکے ''ڈکٹیٹر شپ'' کا نظام قائم کیا تھا، جس میں ڈکٹیٹر کا کام تمام تنظیمی امور کو سرانجام دینا تھا۔ تمام ڈکٹیٹرز یکے بعد دیگرے ایک بڑے مجمع کے ساتھ سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتاری پیش کرتے اور گرفتاری کے وقت اپنے جانشین ڈکٹیٹر کے نام کا اعلان کرتے۔ مولاناؒ اس کے نوویں ڈکٹیٹر تھے۔ اس حوالے سے بھی مولانا محمد میاںؒ کی اَن تھک جدوجہد سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس دوران ان کی تمام تر سرگرمیاں مرادآباد اور دہلی میں رہیں۔ ان سرگرمیوں کی پاداش میں 6 ماہ کے لیے مولاناؒ کا دہلی میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مولانا محمد میاںؒ نے 1940ء میں ولی اللّٰہی تحریکِ آزادی سے متعلق ایک مایۂ ناز کتاب ''علمائے ہند کا شاندار ماضی''، لکھی تو انگریز سامراج نے اس کی ضبطی اور پابندی لگائی۔ اس موقع پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور دیگر اکابرین علمائے حق نے انگریز سرکار کے اس اقدام کی بھرپور مخالفت کی اور اس کتاب کی اہمیت کو واضح کیا۔

مولانا سیّد محمد میاںؒ 1928ء اور 1944ء کے دوران 5 بار گرفتار کیے گئے اور قید بامشقت کی سزا ہوتی رہی۔ اگست 1944ء میں جب پورے برِعظیم میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کا آغاز ہوا، اس تحریک میں ولی اللّٰہی کاروان نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے جانشین حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ اور دیگر اکابرین جدوجہدِ آزادی کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتوں سے گزر رہے تھے۔ مولاناؒ اسی قافلۂ عزیمت کے ایک سرگرم رکن تھے۔ 1945ء میں وہ جمعیت علمائے ہند کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس ذمہ داری پر بھی انھوں نے بھرپور قائدانہ کردار ادا کیا اور مسلمانانِ برِعظیم کی ترجمانی کرتے رہے۔

1947ء کا دور بہت پُرآشوب دور تھا۔ تقسیمِ ہند کے نتیجے میں نفرت کی جو آگ انگریز سامراج اس خطے میں لگائی تھی، اس سے ہندوستان کا کوئی بھی علاقہ محفوظ نہیں تھا۔ اس وقت ضرورت تھی کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی دادرسی کی جائے۔ اس مقصد کے لیے مولانا محمد میاںؒ نے پورے ملک کے دورے کیے اور عوام کی ڈھارس بندھائی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار کو بلوائیوں سے بچانے کا سہرا بھی آپؒ ہی کے سر ہے۔ 1949ء میں سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے دینی تعلیمی مہم کو بھی اپنے پروگرام کا حصہ بنایا اور اس سلسلے میں متعدد مفید رسائل تحریر فرمائے۔ ان کے دورِ نظامت میں عملی سرگرمیوں کے لیے متعدد شعبے قائم کیے گئے، تاکہ معروضی حالات میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا جاسکے۔ 1963ء میں جمعیت علمائے ہند کی نظامت سے دست بردار ہونے کے بعد مولاناؒ مدرسہ امینیہ دہلی میں تاحیات مدرّس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا سیّد محمد میاںؒ کا شمار برِعظیم کے نامور مؤرخین میں ہوتا ہے۔ ان کی کئی تصانیف 'حوالہ' کا درجہ اختیار کرچکی ہیں۔ اس وَجہ سے ان کا ایک لقب ''مؤرخِ ملت'' بھی ہے۔ مولاناؒ نے 100 کے قریب کتب تحریر فرمائی ہیں، جن سے آج بھی تشنگانِ علم اپنے علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔ انھوں نے مرادآباد سے ماہنامہ ''قائد'' کا اجرا بھی فرمایا، جس کا شمار برِعظیم کے مشہور مجلّات میں کیا جاتا ہے۔ کثرتِ تصنیفات کی وَجہ سے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ آپ کو مزاحاً ''حیوانِ کاتب'' کہتے تھے۔ مولانا محمد میاںؒ کی وفات ۱۲/ شوال ۱۳۹۵ھ/ 22/ اکتوبر 1975ء کو 74 سال کی عمر میں ہوئی اور وہ دہلی میں آسودۂ خواب ہیں۔''

www.rahimia.org

وفیات

تحریر: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، لاہور

حضرت اقدسؒ کے دیرینہ رفیق

صابر ضمیر صدیقیؒ کا سانحۂ ارتحال

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے دیرینہ رفیق صابر ضمیر صدیقیؒ مؤرخہ 11 ستمبر 2019ء کو ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ إنّا للّٰہ و إنّا إلیہ راجعون. محترم صدیقی صاحبؒ کی ولادت 26 اگست 1943ء کو ریاست جھانسی (یو۔پی، انڈیا) میں ہوئی، جو کہ اُن کا ننھیالی شہر تھا۔ ان کے والد گرامی جناب ضمیر احمد صدیقیؒ ریاست گوالیار (ایم۔پی، انڈیا) کے رہنے والے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد اُن کا قیام جہلم میں ہوا۔ وہاں وہ ملٹری کالج جہلم میں انگریزی کے استاذ رہے۔ صابر ضمیر صدیقی صاحب ملٹری کالج جہلم سے میٹرک کر کے 1960ء میں زرعی کالج لائل پور (اب زرعی یونیورسٹی فیصل آباد) میں داخل ہوئے۔ اسی زمانے میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے قیامِ لائل پور میں اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسی موقع پر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے تعلق قائم ہوا۔ حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ نوجوانوں کو اپنے سے مانوس رکھتے تھے۔ اس طرح یہ تعلق بڑھتا چلا گیا۔ حضرت اقدس رائے پوری ثانیؒ کے وصال کے بعد صدیقی صاحب حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔ ذکر وشغل اختیار کیا اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے تعلق سے نوجوانوں میں کام کرتے رہے۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور (فیصل آباد) کے بہت سے نوجوانوں اور اپنے بھائیوں کو مشائخِ رائے پور سے جوڑا۔ ایگریکلچر انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد صدیقی صاحبؒ نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اسی دوران انھوں نے فوڈ ٹیکنالوجی میں ایم ایس سی کی اور پھر سکالرشپ پر بیروت یونیورسٹی چلے گئے اور وہاں دو سال اس حوالے سے مزید تعلیم حاصل کی۔ بیروت میں قیام کے زمانے میں ہی حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے واپس آ کر بڑی دیانت داری اور ذمہ داری سے سرکاری ملازمت میں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

محترم صدیقی صاحبؒ جمعیت طلبائے اسلام کے نوجوانوں کے ساتھ بھی تعاون اور مدد کرتے رہے اور پھر تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کے قیام کے بعد سے ان کی تمام تر ہمدردیاں اور تعلق ولی اللّٰہی فکر کے فروغ کے حوالے سے رہیں۔ حضرات مشائخ رائے پور سے بہت محبت کا تعلق رکھتے تھے۔ خاص طور پر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ان کی دلی محبت اور تعلق باوَن (52) سال پر محیط رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ ترین سرکاری عہدوں پر ہونے کے باوجود ہر جگہ حضرتؒ اور خانقاہ کا تعارف کراتے تھے۔ 2003ء میں زرعی ریسرچ سنٹر بہاول پور سے ڈائریکٹر جنرل زراعت (ریسرچ) کے عہدے سے ریٹائرمنٹ کے بعد حضرتؒ ہی کے تعلق کی بنا پر ادارہ رحیمیہ لاہور میں قیام پذیر ہو گئے اور یہیں پر اپنی جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر مغفرت فرمائے اور ان کی روح کو مشائخ رائے پور کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!

بقیہ: چوتھا ارتفاق؛ بین الاقوامی نظام

(4) (لوگوں کے حقوق اور اُن کی ذمہ داریاں:) خلیفہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ:

(الف) لوگوں کی دل جوئی کرے۔

(ب) ہر ایک فرد میں (ملک اور قوم کو) نفع پہنچانے کی استعداد معلوم کرے۔

(ج) کسی انسان پر اس کی استعداد سے زیادہ اعتماد نہ کرے۔

(د) شریف اور معاملات سمجھنے والے باشعور لوگوں کی عزت اور احترام کرے۔

(ہ) لوگوں کو ترغیب وترہیب کے ساتھ جہاد اور قتال پر اُبھارے۔

(5) (دشمن کی اجتماعی طاقت توڑنا:) خلیفہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا اوّلین مقصد دشمن کی اجتماعیت کو توڑنا اور اُس کی طاقت وقوت کو کمزور کرنا ہو، یہاں تک کہ وہ اس کے ہر حکم کو تسلیم کرے۔ وہ اپنی من مانی کسی صورت نہ کر سکے۔ پس جب خلیفہ اس پر کامیابی حاصل کر لے تو جنگ سے پہلے اس نے اپنے ذہن میں جو مقصد متعین کیا تھا، اسے پورا کرے۔ اس کے بعد اگر اُن سے یہ ڈر ہو کہ وہ دوبارہ فساد مچائیں گے تو اُن پر بہت بھاری ٹیکس لگائے۔ ان کی معاشی طاقت کو توڑنے کے احکامات جاری کیے جائیں۔ ان کے قلعوں کو توڑ پھوڑ دیا جائے۔ انھیں ایسی حالت تک پہنچا دیا جائے کہ ان کے لیے دوبارہ شرارت کرنا ممکن نہ رہے۔

[خلیفہ کے اوصاف]

چوں کہ خلیفہ باہم مخالف قوتوں اور ممالک کے درمیان توازن کو پوری صحت کے ساتھ محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہے، اس لیے خلیفہ کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ:

(1) وہ چاک وچوبند اور چستی سے فیصلے کرنے والا ہو۔

(2) ہر علاقے میں اپنے جاسوس پھیلا کر رکھے (تاکہ بروقت اسے اطلاعات حاصل ہوں)۔

(3) اپنے احکامات کے نفاذ کے لیے پوری فہم وفراست استعمال کرے۔

(4) کسی ایک علاقے میں اگر ایک بڑی فوجی قوت کا اجتماع دیکھے تو اس سے کبھی غافل نہ ہو کہ اُس جیسا اجتماع کسی دوسرے علاقے میں بھی ضرور قائم کرے۔ ہر علاقے میں ایسی فوجی قوت تشکیل دے کہ عام طور پر جس کا قائم کرنا ممکن نہ ہو۔

(5) جب بھی کسی فرد سے خلافت اور حکومت حاصل کرنے کی تگ ودو کا پتہ چلے تو اسے سزا دیے بغیر نہ چھوڑے، اس کی شان وشوکت کو توڑے اور قوت کو کمزور کر دے۔

(5) یہ بھی ضروری ہے کہ خلیفہ کے احکامات کو قبول کرنے اور اس کی جاری کردہ ہدایات پر سب کا اتفاق ہو۔ یہ طریقۂ کار ایک تسلیم شدہ حقیقت کے طور پر رائج ہو۔ اس سلسلے میں محض زبانی طور پر لوگوں کا قبول کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اُس قبولیت کی ظاہری علامات بھی ہوں، جن پر مواخذہ کیا جا سکے۔ چناں چہ وہ لوگ:

(الف) بڑے اجتماعات (مثلاً جمعہ وعیدین) میں خلیفہ کے لیے دعائیں کریں۔

(ب) (ان اجتماعات میں) اس کی عظمتِ شان بیان کریں۔

(ج) جس وضع قطع کا اس نے حکم دیا ہے، لوگ اس پر خوش دلی سے عمل کریں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں خلیفہ کا نام سکوں پر لکھے جانے کا طریقۂ کار رائج ہے۔

و اللّٰہ أعلم. (باب ارتفاق الرّابع، مبحث الارتفاقات)

www.rahimia.org

منظوم کلام

حافظ محمد طاہر نفیسؔ، لاہور

آہ! محترم صابر ضمیر صدیقی مرحوم

(محترم صابر ضمیر صدیقیؒ کے انتقالِ پُر ملال پر اُن کے دیرینہ ساتھی جناب حافظ محمد طاہر نفیسؔ کو بڑا دلی صدمہ پہنچا۔ جس شام کو صدیقی صاحب کا انتقال، اُس رات حافظ صاحب سو نہیں سکے اور اپنے دلی جذبات کا اظہار اس پُر سوز منظوم تأثرات کی صورت میں کیا۔ یہ نظم انھوں نے بے ساختہ ارتجالاً کہی ہے۔ مدیر)

محبت کی منزل کے بے چین راہی
وہ صابر ضمیر اپنے ربّ سے تھے راضی

وہ ابنِ ضمیر احمد و اَخیَ ساہر
تھے نصفِ صدی سے ہمارے وہ ساتھی

عمر اُن کی وقفِ سلوک و طریقت
رہِ رائے پور کے وہ داعی و ساعی

ہوئے جب مریدِ شہِ عبدِ قادِر
مسلسل رہے دِل سے وہ خانقاہی

وفا کے وہ پیکر، وہ صوفی، وہ سالک
کہ عبدالعزیزؒ ان کے تھے شیخِ ثانی

مریدِ سعید احمد و عبدِ خالق
وہ یکسو رہے خانقاہ کے مدامی

زراعت کے شعبے کے افسر بھی تھے وہ
قدر اُن کی لیکن کسی نے نہ جانی

قبیلوں میں ذاتوں میں بکھرا ہوا ہے
زراعت کا شعبہ ہے ہندی سماجی

اَرائیں، نہ رانگڑھ، نہ تھے جاٹ و گوجر
ترقی کی رَہ میں تھی ان کے یہ کھائی

وکالت پڑھی، پھر مقدمے لڑے وہ
ریٹائر ہوئے تو لڑے یہ لڑائی

سترھویں سے اوپر مِلی اک ترقی
بالآخر ٹریبونل سے بیسویں میں پائی

مخالف رہے گو کہ افسر تو سارے
عدالت میں صابر نے ہی فتح پائی

دعا حضرت اقدسؒ کی تھی ساتھ ان کے
یہی اُن کی تھی عمر بھر کی کمائی

ملے اُن سے ہم کل تو شاکر تھے صابر
اکابر کے مسلک پہ قائم تھے بھائی

رحیمی ادارے میں تھے شاد بے حد
کہ ہر ہر قدم پر سہولت تھی پائی

وہ عاملا ہوں، طلبا ہوں یا اہلِ خدمت
سبھی پر فدا تھے بہ صد دِل رُبائی

سکینت کی برکت سے تھے ایسے یکسو
چھہتر برس کی طویل عمر پائی

وہ شوگر، وہ فالج، وہ سب آپریشن
خدا کے ولی کی نہ روح ڈگمگائی

وہ تکیے پہ سَر رکھ کے کچھ مسکرائے
سرِ عرش سے جونہی کال ان کی آئی

کیا خود کو تسلیمِ جاں آفریں کے
گھڑی آخری کوچ کی جب کہ آئی

رحیمی فضاؤں میں دی جان آخر
عزیزی تھے، نسبت سعیدی تھی پائی

خدا کے حوالے کیا سب نے مِل کر
تھی اُس کی امانت، اسی کو لوٹائی

نفیسؔ اُن کی پیہم محبت کے صدقے
کہ اوّل سے آخر ہمیشہ نبھائی

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال دو پارٹنرز زید اور بکر نے مل کر جائیداد خریدی۔ اس میں زید 3/4 حصے کا مالک ہے اور قابض ہے، جب کہ بکر 1/4 حصے کا مالک ہے، لیکن قابض نہیں ہے۔ تقسیم کی درج ذیل متنازع چار صورتوں میں سے کون سی صورت شرعاً عدل و انصاف کی رُو سے صحیح اور درست ہے؟

1۔ جائیداد کے دونوں حصوں کے مطابق اگر درمیان میں دیوار ڈال دی جائے، تو اس صورت میں 1/4 حصے والا نقصان اٹھاتا ہے۔

2۔ 1/4 حصے کا مالک بکر کل جائیداد کی ایک لاکھ روپے کی قیمت کے اعتبار سے بقیہ حصہ خریدنے کو تیار ہے، مگر 3/4 حصے والا اس پر راضی نہ ہے۔

3۔ 1/4 حصے کی قیمت -/10,000 (دس ہزار) روپے دینے کو تیار ہے، جس پر بکر راضی نہیں ہے۔

4۔ دو عادل ماہر آدمی جائیداد کی قیمت لگا دیں، جس کے مطابق ان کا تصفیہ ہو جائے، مگر اس پر 3/4 حصے والا (زید) راضی نہیں ہے اور وہ قبضے سے فائدہ اٹھا کر دوسرے فریق کو اپنی رائے پر مجبور کر رہا ہے۔ سائل: شیخ عمر فاروق، فیصل آباد

جواب مشترکہ جائیداد کی تقسیم میں شرعی قانون لا ضَرَرَ و لا ضِرَارَ (نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ) کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا دو عادل تجربہ کار بازار کے ریٹ کی روشنی میں ریٹ مقرر کر دیں، جس پر تصفیہ کیا جائے۔ زیادہ حصے والے فریق کا دوسرے فریق کو اپنی مرضی اور خواہش پر مجبور کرنا شرعاً و اَخلاقاً جرم ہے۔

سوال کاروباری لین دین/معاہدہ کرتے وقت دوسرے فریق سے اپنی شرائط کو اس بنیاد پر تسلیم کروانا کہ اگر وہ میری طرف سے رکھی گئی شرائط تسلیم نہ کرے گا تو اس کا دوسری طرف سے نقصان کر دیا جائے گا، مثلاً اس کی رقم جو اس سے پہلے کے معاہدات/لین دین کی میری طرف واجب الادا ہے، وہ میں لیٹ کر دوں، تاکہ وہ اس نقصان سے بچنے کے لیے نیا کاروباری معاہدہ کرنے پر مجبور ہو جائے تو ایسے معاہدے کی قانونی، شرعی و اَخلاقی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب صورتِ مسئولہ میں چوں کہ فریقین کے مابین مذکورہ معاہدے میں حقیقی رضامندی جو کہ باہمی لین دین کے معاملات میں شرعاً ضروری ہے، اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا شرعاً و اَخلاقاً ایسا کوئی معاہدہ درست نہ ہوگا، بلکہ دوسرے فریق کے ساتھ ظلم کرنے کے زمرے میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔